جذبۂ تحقیق اور اس کے نتائج

مولانا سید عبدالشکور ترمذی
ساہیوال

اسلامی مسائل میں جذبۂ تحقیق کا دائرہ اور حدود

الحق جنوری ۱۹۷۴ء کے افکار و تاثرات کے ذیل میں "جذبۂ تحقیق" کے تحت مولانا احمد عبدالحلیم صاحب کا مراسلہ نظر سے گذرا۔ مولانا نے اپنے جذبۂ تحقیق کے جن نتائج کا اس میں اظہار کیا ہے وہ چونکہ جمہور اہل سنت کی تحقیقات اور مسلک حق کے خلاف ہیں۔ اس وجہ سے ناقابل قبول اور محل نظر ہیں۔ ان نتائج کا اسطرح سے شائع ہو جانا مسلک حق کے بارے میں ناظرین کیلئے غلط فہمی اور اشتباہ کا موجب ہو سکتا ہے اور بعض شکی مزاجوں اور ظاہر بین سادہ ذہنوں میں اس سے شکوک و شبہات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اسکی ضرورت تھی کہ مولانا کے اس جذبۂ تحقیق اور اس کے نتائج کے مفاسد سے ناظرین کو آگاہ کر دیا جائے۔ اور مسلک جمہور اہل سنت پر ان کے وارد کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ کر کے سادہ ذہنوں کو مرض تشکیک سے محفوظ کیا جائے۔ زیر نظر مضمون "جذبۂ تحقیق اور اس کے نتائج" اسی جذبہ کے تحت لکھا گیا ہے۔

جمہور اہل سنت کے مسلمہ مسائل ظہور مہدی اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ کی سیادت اہل جنت پر وغیرہ میں تشکیک و شبہات پیدا کرنے کا جو طریقہ مولانا نے اختیار کیا ہے۔ یہ وہی خوارج وغیرہ باطل فرقوں کا پرانا طرز تحقیق ہے۔ مولانا انہی کے خوشہ چین ہیں۔ اسی طریقے سے ایسے فرقوں کی فکری اور نظری خدمت ہی انجام پا سکتی ہے۔ مگر یہ انداز فکر مسلک اہل سنت کی ترجمانی کیلئے کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے یہ طرز فکر روافض کے ردعمل کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اس سے وہ تردید روافض کے لئے اہل بیت کے ایسے فضائل و مناقب کو بھی مشکوک قرار دینے کے درپے ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ لیکن احادیث صحیحہ کے ساتھ اس طرز عمل سے منکرین حدیث کی تائید و حمایت کے علاوہ مسلک اہل سنت کی بیخ کنی کا کام جس قدر آسان ہو جاتا ہے۔ وہ اہل نظر و فکر سے پوشیدہ نہیں اس لئے مولانا کا یہ جذبہ سراسر اہل سنت کے حق میں مفید ہونے کی بجائے سخت مضرت رساں اور

نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اس طریقے پہ استعمال اہل سنت کی بجائے خارجی رجحانات کی تقویت کا باعث بن سکتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس جذبہ تحقیق کا محرک اور باعث کیا ہے۔ اور یہ کس غرض اور مقصد کیلئے حرکت میں آیا ہے اور اس کا طریقہ استعمال کیسا ہے۔ کیا ہر جذبہ تحقیق قابل قبول اور لائق تقلید ہو سکتا ہے۔؟ اگر ہر شخص کو اس جذبہ کے آزادانہ استعمال کی اجازت دے دی جائے۔ اور قابل اعتماد ذرائع تحقیق پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے ذاتی میلان اور طبعی رجحان کو معیار تحقیق قرار دے لیا جائے تو پھر مولانا خود ہی سوچ لیں کہ اس کا نتیجہ سلف صالحین سے عدم اعتماد بلکہ تنفر اور بیزاری کے سوا اور کیا برآمد ہو سکتا ہے۔؟ اور اگر یہ اعتماد ختم ہو جائے تو پھر اسلام اور مسلک اہل سنت کا جو حشر ہوگا۔ وہ ظاہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ جذبہ اصول صحیحہ کی روشنی میں حق کے احقاق کیلئے مصروف عمل ہے۔ اور اس سے حق کی حمایت و نصرت کا کام لیا جا رہا ہے۔ تب تو یہ قابل قدر اور لائق قبول ہے۔ اور اگر اس کا استعمال اصول صحیحہ کو نظر انداز کر کے کیا جا رہا ہو، اور یہ جذبہ حق کی جگہ باطل کو لانے کیلئے برسر پیکار ہو تو پھر ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کا جذبہ کسی تحسین اور حوصلہ افزائی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ افسوس کے ساتھ اس کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے۔ کہ مولانا کا جذبہ تحقیق دوسری قسم میں شامل ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے اور تقلید کے قابل ہے۔ کہ ہمارے اسلاف کرام میں سے برصغیر میں خصوصیت کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز صاحبان اور ان کے جانشینوں نے تردید رفض کے سلسلہ میں بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مگر ان اکابرؒ نے رفض کے افراط کی تردید میں خارجیت کی تفریط کا یہ طریقہ کبھی اختیار نہیں فرمایا جو آجکل کے بعض تردید رفض کا کام کرنیوالوں نے اختیار کیا ہوا ہے۔

بلکہ یہ حضرات اہل سنت کے خصوصی شعار اعتدال بین الرفض والخوارج پہ ہمیشہ گامزن اور مستقیم رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی راستہ پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

اس جذبہ تحقیق کے مفاسد پر اطلاع پانے کے بعد اب آگے اس کے نتائج پہ غور کیا جائے۔

حضرت حسینؓ کو سید الشہداء کہنا مولانا نے اپنے مراسلہ میں لکھا ہے کہ: "میں یہ لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرت حسینؓ کو سید الشہداء کہنا جائز نہیں۔ اور حضرت اقدس مرشدی و مولائی و استاذی مولانا تھانویؒ سے میرا تحریری مناظرہ بھی ہوا ہے، حضرت اقدس کا استدلال یہ تھا کہ جب ان کی شان میں سید اشباب اہل الجنۃ وارد ہے۔ اور شباب میں شہداء بھی ہیں تو ان کے سید الشہداء ہونے میں کیا شک رہا، اس پر

عرض کیا کہ شباب میں تو انبیاء بھی ہوں گے۔ تو پھر یہ سید الانبیاء بھی ہوئے"۔ الخ۔

قطع نظر اس سے کہ حضرت حسینؓ کو سید الشہداء کہنے کے لئے یہ حدیث سیدا شباب اہل الجنۃ دلیل بنتی ہے یا نہیں مولانا کے اس اعتراض سے تو یہ حدیث ہر حال میں ناقابل قبول قرار پاتی ہے۔ اور اگر وہ اس اعتراض کے رفع کرنے کی کوئی صورت تجویز کریں گے۔ تو اس سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا استدلال درست ہو کر حضرت حسینؓ کو سید الشہداء کہنا بھی جائز ثابت ہو جائے گا۔

مولانا کو یہ شبہ شاید سید الشہداء میں الف لام اور اضافت کو استغراق کے لئے سمجھنے کی وجہ سے پیش آرہا ہے۔ اگر الف لام اور اضافت کو عہد کے لئے قرار دیا جاتا تو پھر اس شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی، اور اگر استغراق کیلئے بھی تسلیم کر لیا جائے تو استغراق حقیقی کے مراد ہونے پر کیا دلیل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ استغراق عرفی مراد ہوگا۔ اور حضرت حسینؓ کو خاص شان کے شہیدوں کا سردار کہا جائیگا۔ جیسا کہ علامہ حفنی نے حاشیہ جامع صغیر میں حدیث سیّد الشہداء حمزہ کے تحت ایسے ہی شبہ کے رفع کیلئے ارقام فرمایا ہے۔ قولہ سید الشھداء ای شھداء المعرکۃ فلا یرد ان نحو سیدنا عمر من الشھداء وھو افضل منہ لکنہ لیس من شھداء المعرکۃ فلیس داخلاً فیہ (ص ۳۲۱)

حدیث سید الشہداء حمزہ میں بھی اگرچہ استثناء وارد نہیں ہے۔ مگر علامہ حفنیؒ نے حضرت حمزہؓ کی عموم سیادت میں حضرت عمرؓ جیسے اشخاص کو داخل کر کے اس حدیث کو رد نہیں کیا جن کی فضیلت حضرت حمزہؓ پر کسی دلیل سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کی شہادت نص قرآنی یقتلون النبیّن بغیر حق۔ سے ثابت ہو رہی ہے۔ مگر وہ حضرات یقینی اور قطعی دلیل کی وجہ سے اس سیادت حمزہؓ میں داخل نہیں ہیں۔ تو کیا مولانا اس پر بھی یہ معارضہ کریں گے کہ شہداء میں تو حضرت عمرؓ اور انبیاء علیہم السلام بھی ہوں گے تو پھر حضرت حمزہ سید عمر اور سید الانبیاء بھی ہوئے، اور اس طرح اس حدیث کو بھی ناقابل قبول قرار دیدیں گے۔؟

جس طرح حدیث سید الشہداء حمزہ میں خاص قسم کے شہیدوں پر سیادت مراد لی گئی ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت عمرؓ وغیرہ اس کے عموم میں داخل نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی افضلیت کی وجہ سے اس پر یہ معارضہ ہو سکتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح سے حضرت حسینؓ کو سید الشہداء کہنے پر بھی یہ معارضہ درست نہیں ہو سکتا۔

علامہ علی قاریؒ سیدا شباب اہل الجنۃ کے تحت فرماتے ہیں: انھما سید اھل الجنۃ سوا الانبیاء والخلفاء الراشدین۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ــــ)

جب شارحین حدیث نے انبیاء علیہم السلام وغیرہ کا استثناء حسینؓ کی سیادت سے تصریحاً کر دیا ہے۔ تو پھر ان کو اس سیادت میں داخل کر کے معارضہ کرنا معلوم نہیں کس قسم کا جذبۂ تحقیق ہے۔

ابن منصور کا ملحد ہونا | مولانا نے لکھا ہے کہ "اسی طرح ابن منصور کی ولایت پر ایک ملفوظ فرمایا میں نے بحوالہ تاریخ اس کا ملحد ہونا ظاہر کیا تو مجھ سے اصل مواد طلب فرما کر ملاحظہ فرمایا اور خاموش ہو گئے۔" الحق۔

شاید مولانا کی تحقیق میں یہ بات نہیں آسکی کہ ابن منصور کے بارہ میں حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ نے عربی میں مواد جمع فرمایا تھا، اسکی جمع اور ترتیب کا کام مکمل فرما کر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم نے جب حضرت اقدسؒ کو دکھلایا تو حضرت بہت خوش ہوئے اور تقریظ میں مولانا کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور ایک قیمتی مصلّی بھی بطور انعام کے مولانا کو مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت اقدسؒ کی آخری تحقیق اس میں درج ہے۔ اس میں ابن منصور کے ملحد ہونے کے نظریہ کی تردید دلائل سے کر دی گئی ہے۔ اس مجموعہ کا نام "القول المنصور فی ابن المنصور" ہے۔

بیان القرآن کی صریح غلطیاں | مولانا نے لکھا ہے کہ "پھر میں نے بعد وفات بیان القرآن کی صریح غلطیوں پر ایک مضمون لکھا جسے مفتی صاحب کے البلاغ میں شائع کر دیا گیا"۔ (الحق ص۔)

مولانا کا ایک مضمون زیر عنوان "دو آیتوں کی تفسیر، جن میں عموماً قول مرجوح کو اختیار کیا جاتا ہے۔" البلاغ ماہ محرم ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

اس کے عنوان سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ مولانا کی یہ بحث صرف راجح مرجوح کی ہے۔ مگر اب چار سال کے بعد مولانا کا اس کو "بیان القرآن کی صریح غلطیوں" کا نام دینا سخت حیرانی اور استعجاب کا باعث ہوا۔ اس سے مولانا نے یہ تأثر دیا ہے کہ ان کے نزدیک وہ بحث راجح مرجوح کی نہیں بلکہ غلط اور صحیح ہونے کی تھی اور بیان القرآن میں ان دونوں آیتوں کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے۔ وہ غلط ہے۔ اس لئے اب ضروری ہو گیا کہ بیان القرآن میں ان آیتوں کی اختیار کردہ تفسیر کے دلائل کو پیش کر دیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس تفسیر پر مولانا کے شبہات اور ان کے جذبۂ تحقیق کا بھی جائزہ لیا جائے۔

جہادی گھوڑوں کا واقعہ | تفسیر بیان القرآن میں ذکر کردہ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ: "حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کے معائنہ کرنے میں، جو بغرض جہاد وغیرہ رکھے جاتے تھے، اس قدر

جاتے ہیں

دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا، اور کوئی معمول از قسم نماز جو واجب نہیں تھا۔ فوت ہوگیا۔ بعد میں متنبہ ہوکر آپ نے ان تمام گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔

اس تفسیر کے مطابق آیت انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی۔ میں عن اپنے حقیقی معنی بعد و مجاوزت کیلئے ہوگا۔ اور آیت کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ: بیشک میں پروردگار کے ذکر سے غافل ہوکر مال کی محبت میں لگ گیا۔ اور حتّٰی توارت بالحجاب میں توارت کی ضمیر آفتاب کیطرف ہوگی جس کا ذکر آیت میں اگرچہ صراحۃً نہیں ہے۔ مگر اوپر اذ عرض علیہ بالعشی۔ میں عشی کے ذکر سے اس کا ذکر مفہوم ہو رہا ہے، اور تواری بالحجاب سے مجازاً غروب شمس مراد ہے۔ اور مسحا بالسوق والاعناق۔ میں مسح کے معنی ضرب و قطع کے ہوں گے۔

دلائل | تفسیر کشاف میں ہے: "والتواری بالحجاب مجاز فی غروب الشمس عن تواری الملک او المخباۃ بحجابھما والذی دل علی ان الضمیر للشمس مرور ذکر العشی ولابد للمضمر من جری ذکر او دلیل ذکر .... یقال مسح علاوہ اذا ضرب عنقہ (ج ۲ ص ۲۸۴)

اکثر ائمہ مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے اور ایک حدیث مرفوع بھی اسکی تائید میں ذکر کی ہے۔

تفسیر درمنثور:۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی تفسیر درمنثور میں معجم طبرانی، اسمٰعیل، اور ابن مردویہ کے حوالے سے بالفاظ ذیل اس حدیث کو نقل کر کے اسکی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

عن ابی بن کعبؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ فطفق مسحا بالسوق والاعناق قال قطع سوقھا واعناقھا بالسیف۔ (درمنثور ج ۵ ص ۳۰۹)

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس میں ایک راوی سعید بن بشیر ہیں۔ جنہیں شعبہ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ اور ابن معین وغیرہ نے ضعیف اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔" (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۹)

تفسیر روح المعانی:۔ علامہ آلوسیؒ نے بھی بعینہٖ انہی الفاظ سے اس حدیث مرفوع کو نقل کر کے مسحا کو بمعنی قطع و ضرب لینے پر دلیل قرار دیا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۹۳)

تفسیر ابن کثیر:۔ حافظ ابن کثیرؒ جیسے محقق عالم نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ اور ابن جریر نے جو دوسری تفسیر کو ترجیح دی تھی اسکو محل نظر قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: وھذا الذی رجح بہ ابن جریر فیہ نظر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴)

تفسیر معالم التنزیل | میں بھی دوسری تفسیر انہ کان یسیح سوقہا و اعناقہا بیدہ لا یکشف الغبار عنہا حبا لہا و شفقۃ علیہا ۔ کو نقل کر کے صراحۃً ضعیف قرار دیا ہے۔ لکھا ہے۔ وھذا قول ضعیف۔ (معالم التنزیل برحاشیہ خازن ج ۴ ص ۵۵)

اصول تفسیر | مسلمہ اصول تفسیر کی رو سے بھی وہی تفسیر قابل ترجیح ہوتی ہے جو کسی مرفوع حدیث سے ثابت ہو اور بیان القرآن کی تفسیر حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔

وجوہ ترجیح | الفاظ قرآن کے لحاظ سے اگرچہ دونوں تفسیروں کی گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن اوپر کی تفصیل سے بیان القرآن میں اختیار کردہ تفسیر کی ترجیح کیلئے حسب ذیل وجوہات ثابت ہوتی ہیں :-

۱۔ حدیث مرفوع سند حسن کے ساتھ اس کے حق میں آئی ہے ۔

۲۔ اکثر مفسرین اور متعدد ائمہ تفسیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے ۔

۳۔ اصول تفسیر کی رو سے بھی اسی تفسیر کو ترجیح حاصل ہے ۔

۴۔ اس تفسیر پر عن اپنے حقیقی اور معروف و عام معنی، بعد و مجاوزت پر رہتا ہے۔ اور اسی سے احببت حب الخیر کو عن کے ساتھ متعدی کرنے کی غرض ذھول عن الغیر پر دلالت ہو رہی ہے ۔

(باقی آئندہ)

Adarts H/CAR/1/72